(گذشتہ سے پیوستہ)

تذکرۂ انبیاء

علیہم السلام

از

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم

باب اوّل ——— قصّۂ آدم علیہ السلام

فصل ۹

فصل ۹

ابلیس اور اس کا کردار

حقیقتِ ابلیس

ابلیس کا لفظی ترجمہ ہے "انتہائی مایوس"۔ اصطلاحاً یہ اس جن کا نام ہے جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے آدمؑ اور بنی آدم کے لیے مطیع و مسخر ہونے سے انکار کر دیا اور اللہ سے قیامت تک کے لیے مہلت مانگی کہ اسے نسلِ انسانی کو بہکانے اور گمراہیوں کی طرف ترغیب دینے کا موقع دیا جائے۔ اسی کو "شیطان" بھی کہا جاتا ہے۔ درحقیقت شیطان اور ابلیس بھی محض کسی مجرد قوت کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ انسان کی طرح ایک صاحبِ تشخص ہستی ہے۔ نیز کسی کو یہ غلط فہمی بھی نہ ہونی چاہیے کہ یہ فرشتوں میں سے تھا۔ قرآن نے سورۂ کہف، آیت ۵۰ میں خود تصریح کر دی ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا جو فرشتوں سے الگ، مخلوقات کی ایک مستقل صنف ہیں۔

غالباً ابلیس سجدے سے انکار کرنے میں اکیلا نہ تھا، بلکہ جنوں کی ایک جماعت نافرمانی پر آمادہ ہو گئی تھی، اور ابلیس کا نام صرف اس لیے لیا گیا ہے کہ وہ ان کا سردار اور اس بغاوت میں پیش پیش تھا۔ لیکن ۳۱ آیت کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جنوں کی ایک جماعت پہلے سے ایسی موجود تھی جو سرکش و نافرمان تھی، اور ابلیس کا تعلق اسی جماعت سے تھا۔ قرآن میں بالعموم "شیاطین" کا لفظ انہی جنوں اور ان کی ذریت و نسل کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اور جہاں شیاطین سے انسان مراد لینے کا کوئی قرینہ نہ ہو وہاں یہی شیاطین جن مراد ہوتے ہیں۔

قصۂ آدمؑ میں ابلیس کا ذکر

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا	اور یاد کرو جب کہ ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو
لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ قَالَ	سجدہ کرو، مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اس نے کہا کیا

ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝
قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ
كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ
اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ
تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ
جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ
مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ
اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ
وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ
وَعِدْهُمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ
اِلَّا غُرُوْرًا ۝

میں اس کو سجدہ کروں جسے تُو نے مٹی سے بنایا ہے؟"
پھر وہ بولا دیکھ تو سہی، کیا یہ اس قابل تھا کہ
تو نے اسے مجھ پر فضیلت دی؟ اگر تو مجھے قیامت
کے دن تک مہلت دے تو میں اس کی پوری نسل کی
بیخ کنی کر ڈالوں، بس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ
سکیں گے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "اچھا تو جا، ان
میں سے جو بھی تیری پیروی کریں، تجھ سمیت اُن سب
کے لیے جہنم ہی بھرپور جزا ہے۔ تو جس جس کو
اپنی دعوت سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے، ان
پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا، مال اور اولاد
میں ان کے ساتھ ساجھا لگا، اور ان کو وعدوں
کے جال میں پھانس ___ اور شیطان کے وعدے
ایک دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

(بنی اسرائیل۔ آیات ۶۱ تا ۶۴)

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ
بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ
وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا
لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ
الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّا
اِبْلِيْسَ ط اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ ۝
قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ
اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ط
اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی
سے ایک بشر بنانے والا ہوں، پھر جب میں اسے
پوری طرح بنا دوں، اور اس میں اپنی روح پھونک
دوں، تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ، اس
حکم کے مطابق فرشتے سب کے سب سجدے میں گر گئے
مگر ابلیس نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ
کافروں سے ہو گیا۔
رب نے فرمایا: "اے ابلیس تجھے کیا چیز اس کو
سجدہ کرنے سے مانع ہوئی جسے میں نے اپنے ہاتھوں
سے بنایا ہے؟ تو بڑا بن رہا ہے یا تُو ہے ہی کچھ اونچے

الْعَالِينَ ۝ قَالَ أَنَا خَيْرٌ	درجے کی ہستیوں میں سے ہے؟" اس نے جواب دیا "میں
مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ	اس سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا
مِن طِينٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا	ہے اور اس کو مٹی سے۔" فرمایا "اچھا تو یہاں سے نکل
فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ	جا، تو مردود ہے، اور تیرے اوپر یوم الجزا تک
لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝	میری لعنت ہے۔"
قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ	وہ بولا "اے میرے رب یہ بات ہے تو پھر مجھے
يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ	اس روز تک مہلت دے دے جب یہ لوگ دوبارہ
مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ	اٹھائے جائیں گے۔" فرمایا "اچھا، تجھے اس روز تک
الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝ قَالَ	مہلت ہے جس کا وقت مجھے معلوم ہے۔" اس نے کہا
فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ	"تیری عزت کی قسم میں ان سب لوگوں کو بہکا کر رہوں گا،
أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ	بجز تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے اپنے لیے خالص
مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝	کر لیا ہے۔"
قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ	فرمایا "تو حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں۔
لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن	کہ میں جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے بھر
تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝	دوں گا، جو ان انسانوں میں سے تیری پیروی
(ص۔ آیات ۷۱ تا ۸۵)	کریں گے۔"

گزشتہ آیات سے متعلق چند اشارات

۱۔ یہ قصہ دراصل یہ بات ذہن نشین کرنے کے لیے بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے مقابلے میں ان کافروں کا یہ تمرد اور تنبیہات سے ان کی بے اعتنائی، اور کجروی پر ان کا یہ اصرار ٹھیک ٹھیک اس شیطان کی پیروی ہے جو ازل سے انسان کا دشمن ہے، اور اس روش کو اختیار کر کے درحقیقت یہ لوگ اس جال میں پھنس رہے ہیں جس میں اولادِ آدم کو پھانس کر تباہ کر دینے کے لیے شیطان نے آغازِ تاریخِ انسانی میں چیلنج کیا تھا۔

۲۔ شیطان نے چیلنج کیا تھا کہ میں ان کے قدم راستی کی راہ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔ چونکہ انسان کا اصل مقام خلافتِ الٰہی ہے جس کا تقاضا اطاعت میں ثابت قدم رہنا ہے، اس لیے اس مقام سے اس کا ہٹ جانا

بالکل ایسا ہے جیسے کسی درخت کا بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا جانا۔

۳۔ آیت میں شیطان کو اس ڈاکو سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی بستی پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لائے اور ان کو اشارہ کرتا جائے کہ اِدھر لُوٹو، اُدھر چھاپہ مارو، اور وہاں غارتگری کرو۔ شیطان کے سواروں اور پیادوں سے مراد وہ سب جن اور انسان ہیں جو بے شمار مختلف شکلوں اور حیثیتوں میں ابلیس کے مشن کی خدمت کر رہے ہیں۔

۴۔ آیت نمبر ۶۴ میں شیطان اور اس کے پیروؤں کے باہمی تعلق کی پوری تصویر کھینچ دی گئی ہے۔ جو شخص مال کمانے اور اس کو خرچ کرنے میں شیطان کے اشاروں پر چلتا ہے، اس کے ساتھ گویا شیطان مفت کا شریک بنا ہوا ہے۔ محنت میں اس کا کوئی حصہ نہیں، جرم اور گناہ اور غلط کاری کے بُرے نتائج میں وہ حصہ دار نہیں، مگر اس کے اشاروں پر یہ بے وقوف اس طرح چل رہا ہے جیسے اس کے کاروبار میں وہ برابر کا شریک، بلکہ شریکِ غالب ہے۔ اس طرح اولاد تو آدمی کی اپنی ہوتی ہیں، اور اُسے پالنے پوسنے میں سارے پاپڑ آدمی خود بیلتا ہے، مگر شیطان کے اشاروں پر وہ اس اولاد کو گمراہی اور بداخلاقی کی تربیت اس طرح دیتا ہے، گویا اس اولاد کا تنہا وہی باپ نہیں ہے بلکہ شیطان بھی باپ ہونے میں اس کا شریک ہے۔

۵۔ ابلیس روزِ اوّلِ آفرینش سے اولادِ آدم کے پیچھے پڑا ہوا ہے تاکہ اس کو آرزوؤں اور تمناؤں اور جھوٹے وعدوں کے دام میں پھانس کر راہِ راست سے ہٹالے جائے اور یہ ثابت کر دے کہ وہ اس بزرگی کا مستحق نہیں ہے جو اسے خدا نے عطا کی ہے۔ اس خطرے سے اگر کوئی چیز انسان کو بچا سکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی بندگی پر ثابت قدم رہے اور ہدایت و اعانت کے لیے اُسی کی طرف رجوع کرے اور اس کو اپنا وکیل (مدارِ توکل) بنائے۔ اس کے سوا دوسری جو راہ بھی انسان اختیار کرے گا، شیطان کے پھندوں سے نہ بچ سکے گا۔

۶۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ کے دو مطلب ہیں، اور دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ میرے بندوں، یعنی انسانوں پر تجھے یہ اقتدار حاصل نہ ہوگا کہ تو انھیں زبردستی اپنی راہ پر کھینچ لے جائے۔ تو فقط بہکانے اور پھسلانے اور غلط مشورے دینے اور جھوٹے وعدے کرنے کا مجاز کیا جاتا ہے، مگر تیری بات کو قبول کرنا یا نہ کرنا ان بندوں کا اپنا کام ہوگا۔ تیرا ایسا تسلط ان پر نہ ہوگا کہ وہ تیری راہ پر جانا چاہیں یا نہ چاہیں، بہرحال تو ہاتھ پکڑ کر ان کو گھسیٹ لے جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ میرے خالص بندوں، یعنی صالحین پر تیرا

بس نہ چلے گا۔ کمزور اور ضعیف الارادہ لوگ تو ضرور تیرے وعدوں سے دھوکا کھائیں گے، مگر جو لوگ میری بندگی پر ثابت قدم ہوں، وہ تیرے قابو میں نہ آسکیں گے۔

یعنی جو لوگ اللہ پر اعتماد کریں، اور جن کا بھروسا اسی کی رہنمائی اور توفیق اور مدد پر ہو، ان کا بھروسہ ہرگز غلط ثابت نہ ہوگا۔ انھیں کسی اور دوسرے سہارے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اللہ ان کی ہدایت کے لیے بھی کافی ہوگا اور ان کی دست گیری و اعانت کے لیے بھی۔ البتہ جن کا بھروسا اپنی طاقت پر ہو، یا اللہ کے سوا کسی اور پر ہو، وہ اس آزمائش سے بخیریت نہ گزر سکیں گے۔

حکمِ سجدہ اور انکارِ شیطان کی بحث

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا	اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ	کہ آدم کو سجدہ کرو، وہ تو سب سجدہ کر گئے۔ مگر
اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا	ابلیس تھا کہ انکار کر بیٹھا۔ اس پر ہم نے آدم سے کہا
عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا	کہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، ایسا نہ ہو
يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝	کہ یہ تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم مصیبت میں
اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا	پڑ جاؤ۔ یہاں تو تمہیں آسائشیں حاصل ہیں کہ نہ بھوکے
تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا	ننگے رہتے ہو، نہ پیاس اور دھوپ تمہیں ستاتی ہے"۔
فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ فَوَسْوَسَ	لیکن شیطان نے اسے پھسلایا۔ کہنے لگا آدم! بتاؤں
اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ	تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت
هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ	حاصل ہوتی ہے؟ آخر کار دونوں (میاں بیوی) اس
وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا	درخت کا پھل کھا گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوراً ہی ان
فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا	کے ستر ایک دوسرے کے آگے کھل گئے اور لگے
يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ	دونوں اپنے آپ کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے۔
وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝	آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے
ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ	بھٹک گیا۔ پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کیا
عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ قَالَ	اور اس کی توبہ قبول کرلی اور اسے ہدایت بخشی، اور

اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا ۢ	فرمایا تم دونوں فریق (یعنی انسان اور شیطان) یہاں
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا	سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے
يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى ۙ	اب اگر میری طرف سے تمھیں کوئی ہدایت پہنچے تو
فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ	جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ
وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ	بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا۔ اور جو میرے "ذکر"
ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً	(درسِ نصیحت) سے منہ موڑے گا اس کے لیے
ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	دنیا میں زندگی تنگ ہوگی اور قیامت کے روز ہم
أَعْمَىٰ ۝ (طٰہٰ۔ آیات ۱۲۳ تا ۱۲۴)	اسے اندھا اٹھائیں گے۔"

ابلیس نے سجدہ کیوں نہ کیا

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا	یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو
لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ	سجدہ کرو۔ انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔
مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ	وہ جنوں میں سے تھا۔ اس لیے اپنے رب کے حکم
(الکھف۔ آیت ۵۰)	کی اطاعت سے نکل گیا۔

ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا بلکہ جنوں میں سے تھا۔ اسی لیے اطاعت سے باہر ہو جانا اس کے لیے ممکن ہوا۔ فرشتوں کے متعلق قرآن تصریح کرتا ہے کہ وہ فطرتاً مطیع فرمان ہیں۔ (اللہ جو حکم ان کو دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے) بخلاف اس کے جن انسانوں کی طرح ایک ذی اختیار مخلوق ہے جسے پیدائشی فرمانبردار نہیں بنایا گیا بلکہ کفروایمان اور طاعت و معصیت، دونوں کی قدرت بخشی گئی ہے۔ اس حقیقت کو یہاں کھولا گیا ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا، اس لیے اس نے خود اپنے اختیار سے فسق کی راہ انتخاب کی۔ یہ تصریح ان تمام غلط فہمیوں کو رفع کر دیتی ہے جو عموماً لوگوں میں پائی جاتی ہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا، اور فرشتہ بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ معلم الملکوت۔

رہا یہ سوال کہ جب ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا۔ تو پھر قرآن کا یہ طرزِ بیان کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم نے ملائکہ کو کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو، پس ان سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کو سجدے کا حکم دینے کے معنی یہ تھے کہ وہ تمام مخلوقاتِ ارضی بھی انسان کی مطیع فرمان بن جائیں

جو کرۂ زمین کی عملداری میں فرشتوں کے زیرِ انتظام آباد ہیں۔ چنانچہ فرشتوں کے ساتھ یہ سب مخلوقات بھی سربسجود ہوگئیں۔ مگر ابلیس نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

شیطان کا اصل ہدف حضرت آدمؑ تھے

یہاں قرآن صاف تصریح کرتا ہے کہ آدم و حوا میں سے اصل وہ شخص جس کو شیطان نے وسوسے میں ڈالا، آدمؑ تھے، نہ کہ حضرت حوا۔ اگرچہ سورۂ اعراف کے بیان کے مطابق مخاطب دونوں ہی تھے اور بہکانے میں دونوں ہی آئے، لیکن شیطان کی وسوسہ اندازی کا رخ دراصل حضرت آدمؑ ہی کی طرف تھا۔ اس کے برعکس، بائیبل کا بیان یہ ہے "کہ سانپ نے پہلے عورت سے بات کی اور پھر عورت نے شوہر کو بہکا کر درخت کا پھل اسے کھلایا۔" (پیدائش، باب ۳) (ط ۔ ج ۳ حاشیہ ۹۹)

سورۂ اعراف میں شیطان کی گفتگو کی مزید تفصیل ہم کو یہ ملتی ہے کہ اس نے کہا: کہ "تمہارے رب نے تم کو اس درخت سے صرف اس لیے روک دیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو۔" آیت ۲۰۔ (۷۷)

انسان اور شیطان کی باہمی رقابت و عداوت

انسان کا دشمن شیطان اور شیطان کا دشمن انسان۔ شیطان کا دشمنِ انسان ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ اسے اللہ کی فرمانبرداری کے راستے سے ہٹانے اور تباہی میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ رہا انسان کا دشمنِ شیطان ہونا، تو فی الواقع انسانیت تو اس سے دشمنی ہی کی مقتضی ہے، مگر خواہشاتِ نفس کے لیے جو ترغیبات وہ پیش کرتا ہے، ان سے دھوکا کھا کر آدمی اسے اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ اس طرح کی دوستی کے معنی یہ نہیں کہ حقیقتہً دشمنی دوستی میں تبدیل ہوگئی، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک دشمن دوسرے دشمن سے شکست کھا گیا اور اس کے جال میں پھنس گیا۔

شیطان کی طرف سے انسانوں کو بہکانے کا چیلنج

چیلنج یہ تھا کہ جس طرح تو نے اس حقیر اور کم تر مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر مجھے مجبور کر دیا ہے کہ تیرا حکم نہ مانوں، اب میں ان انسانوں کے لیے دنیا کو ایسا دلفریب بنا دوں گا کہ یہ سب اس سے دھوکا کھا کر تیرے نافرمان بن جائیں گے۔ بالفاظِ دیگر ابلیس کا مطلب یہ تھا ——— کہ میں زمین کی زندگی اور اس کی لذتوں کو اور اس کے عارضی فوائد و منافع کو انسانوں کے لیے ایسا خوشنما بنا دوں گا کہ وہ خلافت اور اس کی ذمہ داریوں اور آخرت کی باز پرس کو بھول جائیں گے، اور خود تجھے بھی یا تو فراموش

کردیں گے، یا تجھے یاد رکھنے کے باوجود تیرے احکام کی خلاف ورزیاں کریں گے۔

میرے بندوں پر تیرا بس نہ چلے گا

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ ط وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ہ (بنی اسرائیل - آیت ۶۵)

"یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا اور توکل کے لیے تیرا رب کافی ہے"

اس فقرے کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک وہ جو ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ کہ میرے بندوں (یعنی عام انسانوں) پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا کہ تو انھیں زبردستی نافرمان بنا دے۔ البتہ جو خود ہی بہکے ہوئے ہوں اور آپ ہی تیری پیروی کرنا چاہیں، انھیں تیری راہ پر جانے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا، انھیں ہم زبردستی اس سے باز رکھنے کی کوشش نہ کریں گے۔

پہلے معنی کے لحاظ سے مضمون کا خلاصہ یہ ہوگا کہ بندگی کا طریقہ اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔ جو لوگ اس راستے کو اختیار کرلیں گے، ان پر شیطان کا بس نہ چلے گا، انھیں اللہ اپنے لیے خالص فرمالے گا۔ اور شیطان خود بھی اقراری ہے کہ وہ اس کے پھندے میں نہ پھنسیں گے۔ البتہ جو لوگ خود بندگی سے منحرف ہوکر اپنی فلاح و سعادت کی راہ گم کر بیٹھے وہ ابلیس کے ہتھے چڑھ جائیں گے، اور جدھر جدھر وہ انھیں فریب دے کر لے جانا چاہے گا وہ اس کے پیچھے بھٹکتے اور دُور سے دُور نکلتے چلے جائیں گے۔

دوسرے معنی کے لحاظ سے اس بیان کا خلاصہ یہ ہوگا۔ شیطان نے انسانوں کو بہکانے کے لیے اپنا طریقِ کار یہ بیان کیا کہ وہ زمین کی زندگی کو ان کے لیے خوش نما بنا کر انھیں خدا سے غافل اور بندگی کی راہ سے منحرف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ شرطیں نے مانی۔ اور مزید توضیح کرتے ہوئے یہ بات بھی صاف کردی کہ تجھے صرف فریب دینے کا اختیار دیا جارہا ہے، یہ اقتدار نہیں دیا جارہا کہ تو ہاتھ پکڑ کر انھیں زبردستی اپنی راہ پر کھینچ لے جائے۔ شیطان نے اپنے نوٹس سے ان بندوں کو مستثنیٰ کیا جنھیں اللہ اپنے لیے خالص فرمالے۔ اس سے یہ غلط فہمی مترشح ہورہی تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ بغیر کسی معقول وجہ کے یونہی جس کو چاہے گا خالص کرلے گا اور وہ شیطان کی دسترس سے بچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر بات صاف کردی کہ جو خود بہکا ہوا ہوگا وہ تیری پیروی کرے گا۔ بالفاظِ دیگر جو بہکا ہوا نہ ہوگا وہی ہمارا مخصوص بندہ ہوگا، جسے ہم خالص اپنا کرلیں گے۔

شیطان کو بندوں پر زبردستی کرنے کا اختیار نہیں

قَالَ فَبِمَآ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَۙ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ‌ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ‏. (الاعراف ۱۶-۱۷)

بولا، اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکرگزار نہ پائے گا۔

یہ وہ چیلنج تھا جو ابلیس نے خدا کو دیا۔ اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ مہلت جو آپ نے مجھے قیامت تک کے لیے دی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر میں یہ ثابت کرنے کے لیے پورا زور صرف کروں گا کہ انسان اس فضیلت کا مستحق نہیں ہے جو آپ نے میرے مقابلہ میں اسے عطا کی ہے۔ میں آپ کو دکھا دوں گا کہ یہ کیسا ناشکرا، کیسا نمک حرام اور کیسا احسان فراموش ہے۔

یہ مہلت جو شیطان نے مانگی اور خدا نے اسے عطا فرما دی، اس سے مراد محض وقت ہی نہیں ہے بلکہ اس کام کا موقع دینا بھی ہے جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ یعنی اس کا مطالبہ یہ تھا کہ مجھے انسان کو بہکانے اور اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اس کی نااہلی ثابت کرنے کا موقع دیا جائے، اور یہ موقع اللہ تعالیٰ نے اسے دے دیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل آیات ۶۱-۶۵ میں اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اختیار دے دیا کہ آدم اور اس کی اولاد کو راہِ راست سے ہٹا دینے کے لیے جو چالیں وہ چلنا چاہتا ہے، چلے۔ ان چال بازیوں سے اسے روکا نہیں جائے گا بلکہ وہ سب راہیں کھلی رہیں گی جن سے وہ انسان کو فتنہ میں ڈالنا چاہے گا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط لگا دی کہ اِنَّ عِبَادِىۡ لَـيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ۔ یعنی "میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار نہ ہوگا"۔ تو صرف اس بات کا مجاز ہوگا کہ ان کو غلط فہمیوں میں ڈالے، جھوٹی امیدیں دلائے، بدی اور گمراہی کو ان کے سامنے خوشنما بنا کر پیش کرے، لذتوں اور فائدوں کے سبز باغ دکھا کر ان کو غلط راستوں کی طرف دعوت دے۔ مگر یہ طاقت تجھے نہیں دی جائے گی کہ انھیں ہاتھ پکڑ کر زبردستی کھینچ لے جائے۔ اور اگر وہ خود راہِ راست پر چلنا چاہیں تو انھیں نہ چلنے دے۔ یہی بات سورۂ ابراہیم میں بھی رکوع ۴ میں فرمائی گئی ہے کہ قیامت میں عدالتِ الٰہی سے فیصلہ صادر ہو جانے کے بعد شیطان اپنے پیرو انسانوں سے کہے گا۔

"میرا تم پر کوئی زور تو نہ تھا کہ میں نے اپنی پیروی پر تمھیں مجبور کیا ہو، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ

تمھیں اپنی راہ پر بلایا اور تم نے میری دعوت قبول کرلی۔ لہٰذا اب مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔

شیطان اپنی معصیت کی ذمہ داری خدا پر ڈالتا ہے

اور یہ جو شیطان نے خدا پر الزام عائد کیا ہے کہ تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اپنی معصیت کی ذمہ داری خدا پر ڈالتا ہے۔ اس کو شکایت ہے کہ آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دے کر تو نے مجھے فتنے میں ڈالا، اور میرے نفس کے تکبر کو ٹھیس لگا کر مجھے اس حالت میں مبتلا کر دیا۔ ہے کہ میں تے تیری نافرمانی کی۔ گویا اس احمق کی خواہش یہ تھی کہ اس کے نفس کی چوری پکڑی نہ جاتی، بلکہ جس پندارِ غلط، اور جس سرکشی کو اس نے اپنے اندر چھپا رکھا تھا اس پر پردہ پڑا رہنے دیا جاتا۔ یہ ایک کھلی ہوئی سفیہانہ بات تھی جس کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔

شیطان کی مردودیت

اصل میں لفظ "رجیم" استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی ہیں "پھینکا ہوا" یا "مارا ہوا" اور محاورے میں یہ لفظ اس شخص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جسے مقامِ عزت سے گرا دیا گیا ہو اور ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا گیا ہو۔ یوم الجزاء تک تو وہ اپنی نافرمانی کی پاداش میں مبتلائے لعنت رہے گا اور یوم الجزاء کے بعد وہ اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتے گا جو تخلیق آدم کے وقت سے لے کر قیامت تک اس سے سرزد ہوں گے۔

(باقی)